# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ معلّم

جناب نعیم صدیقی صاحب ڈائرکٹر ادارہ مطالعہ و تحقیق

(۳)

(۱۴) "العلم" کے علاوہ حضورؐ نے ہر قسم کے مفید علوم و فنون کے سیکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ نوشت و خواند کو پھیلانے کی سعی فرمائی[57]۔ صحتِ زبان کے اہتمام کی تلقین کی، فنِ کتابت کے لیے ہدایات دیں۔ صحابہ کو عبرانی زبان سیکھنے اور تورات کا علم حاصل کرنے پر متوجہ کیا۔ میدانِ بدر میں مجاہدین کی صف بندی کرا کے اور آغازِ جنگ کے لیے انہیں پابندِ فرمان بنا کر اور کوڈ ورڈز کی تعلیم دے کر دفاعی نظام کا بالکل نیا تجربہ شروع کیا[58]۔ نوجوانوں کو تعلیمِ جہاد دینے کے لیے دوڑ اور تیر اندازی کے مقابلے کرائے، عین میدانِ جنگ سے قلعہ شکن آلات بنانے کی تربیت حاصل کرنے کے لیے صحابہ کی ایک جماعت کو مقام جرش کی طرف بھیجا[59]۔

خواتین کو اس دور کی ضروریات کے مطابق چرخہ کاتنے کی نصیحت کی۔ قریش کی عورتوں میں بچوں کی تربیت کا جو سلیقہ پایا جاتا تھا۔ اس کی تحسین کر کے اس صلاحیت کو بڑھانے کا راستہ نکالا۔ نیز تربیت رفقاء کو استیذان کے آداب سکھاتے، پراگندہ بالوں کو ترشوانے اور کنگھی کر کے سنوارنے کی تلقین کی، عیدین کے تہوار مسرت سے منانے کے لیے جائز حدود میں تفریح کا موقع پیدا کیا۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اعلانِ نکاح کے مسرت آمیز انداز سکھاتے اور لوگوں کو صحنوں کی صفائی کی نصیحت کی اور راستوں سے کانٹے اور کوڑا کرکٹ ہٹانے کی تربیت دی۔ نیز خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں میں میل جول

[57] حدیث مشکوٰۃ۔ کتاب الآداب۔ روایت زید بن ثابت (ترمذی)

[58] حدیث۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الجہاد

[59] ملاحظہ ہو آیت: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (۸-۶۰)

کے آداب سکھائے

حضورؐ کا یہ وسیع تصورِ تعلیم قرآن کے جس کلمۂ حکمت پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو آخرت کی بھلائی کے ساتھ دنیا میں بھی بھلائی حاصل کرنی ہے[60]

(۱۵) حضورؐ نے اپنی تعلیمی حکمت میں جسم کے حقوق کو پوری اہمیت دی۔ قرآن نے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کی سیاسی قیادت پر مامور کرتے ہوئے یہ معیارِ انتخاب پیش کیا ہے کہ ان کو علم اور جسم دونوں سے برتری حاصل ہے[61]، اسی معیار کے مطابق حضورؐ نے جسم کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر فرمایا کہ فان لجسدک علیک حق[62]۔

اس موقع پر حضورؐ کا یہ ارشاد قابلِ توجہ ہے کہ قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہے[63]۔

—— جسم کی ضروریات مدِنظر رکھنے کا ثبوت وہ طبی تعلیم بھی ہے جو حضورؐ نے اس دور کے فنِ طب کے مطابق اپنے پیروؤں کو دی[64]۔

(۱۶) حضورؐ نے تعلیم کے فروغ کے لیے سوال کو یہ فرما کر بڑی اہمیت دی کہ علم ایک صندوق ہے جس کی کنجی سوال ہے یعنی سوالات اٹھانا اور سوالات کا خیر مقدم کرنا بھی منصب معلّمی کا لازمہ ہے۔

(۱۷) حضورؐ نے جدید دور کے فلسفیوں سے بہت پہلے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ تعلیم کا آغاز مہد سے ہونا چاہیے اور اس کا تسلسل لحد تک جاری رہنا چاہیے[65]۔

(۱۸) حضورؐ کی حکمتِ تعلیم کا ایک سبق یہ ہے کہ علم یہ دیکھ کر سیکھو کہ کس سے سیکھ رہے ہو یعنی آیا تمہارا معلّم و اُستاد بلحاظ قابلیت اور بلحاظ کردار قابلِ اعتماد ہے؟[66]

---

۶۰ ملاحظہ ہو آیت: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (۲-۲۰۱)

۶۱ ملاحظہ ہو آیت: وزادہ بسطة فی العلم والجسم (۲-۲۴۷)

۶۲ حدیث: ریاض الصالحین۔ باب فی الاقتصاد فی الطاعة۔ روایت عمرو بن العاص۔

۶۳ حدیث۔ ریاض الصالحین۔ باب فی المجاہدہ۔ روایت ابوہریرہؓ۔

۶۴ احادیث درباب طب۔ زاد المعاد از حافظ ابن القیم۔ ج ۳۔ ذکر الادویہ والاغذیہ۔ نیز ملاحظہ ہو: الاصابہ از ابن حجر و طبقات الاطباء عن ابن ابی اصیبعہ۔

۶۵ حدیث۔ اطلب العلم من المہد الی اللحد۔ منہاج المتعلم بحوالہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ از شبلی

۶۶ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔

اِس ارشاد کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست کے لیے یہ لازم آتا ہے کہ وہ معلّموں کے انتخاب میں بڑی چھان بین سے کام لے اور نہ صرف ان کی سندات اور علمی قابلیت کا جائزہ لے، بلکہ بلحاظ کردار ان کے خاندانی پس منظر اور تعلیمی دور کے ریکارڈ کو بھی زیرِ غور لائے جن لوگوں کو نئی نسل کے خیالات اور کردار کی تعمیر و تشکیل کا نازک ترین فریضہ سونپا جا رہا ہو ان کے متعلق دوسری ملازمتوں کے امیدواروں سے زیادہ سخت چھان بین ہونی چاہیے۔ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا معلّمی کا کوئی امیدوار محض پیشہ ورانہ ذہنیت کے ساتھ آ رہا ہے یا اس کے اندر صحیح مشنری جذبہ موجود ہے۔ بلکہ ملازمت میں آنے کے بعد بھی اساتذہ کے کردار کا ریکارڈ زیرِ نظر رکھنا چاہیے۔ اور جہاں کہیں کوئی آدمی اس کام کے لیے غیر موزوں نظر آئے اسے فوراً اس مقدس ذمہ داری سے الگ کر دیا جائے۔

(۱۹) حضورؐ نے ایسے علم سے بچنے کے لیے خدا کی پناہ طلب فرمائی جس سے لوگوں کو نفع نہ ہو[67]۔ اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کسی شخص کا علم حاصل کر کے اسے روک کے بیٹھ رہنا علم کی منفعت کو ضائع کرنا ہے، دوسرے یہ کہ بعض علوم و فنون ایسے ہو سکتے ہیں جو کوئی ٹھوس افادیت انسانوں کے لیے نہ رکھتے ہوں۔

(۲۰) حضورؐ نے علم اور دماغی قوتوں کے غلط استعمالات سے پرہیز کی تاکید کی ہے[68]۔ مثلاً آپؐ نے جبر و قدر کے مسئلے پر ایک ایسی بحث کرنے سے صحابہؓ کو روک دیا جس میں ایک فریق حقیقت کے ایک نصف حصّے کو لیے ہوئے تھا اور دوسرا فریق دوسرے نصف حصّے کو اور سچائی کے دونوں حصّوں کو آپس میں ٹکرایا جا رہا تھا اسی سلسلے میں آپؐ نے فرمایا کہ قرآن کے ایک حصّے کو اس کے دوسرے حصّے سے نہ ٹکراؤ، واضح رہے کہ بحث و مناظرہ کی بیشتر صورتوں میں جو باعث تفرقہ و انتشار ہوتی ہیں یہی خرابی پائی جاتی ہے۔

پھر آپ نے ایسے سوالات پر بحث کرنے سے منع فرمایا جن کا نتیجہ سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ خدا کو کس نے پیدا کیا؟[69] اس طرح کے سوالات سے منع کیا گیا ہے کہ جس دائرۂ حقائق کے لیے ہمیں ذرائع علم دیئے ہی نہیں گئے۔ اس میں قدم رکھنے سے سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں۔

---

[67] حدیث مشکوٰۃ - باب الاستعاذہ - روایت زید ابن ارقمؓ و ابو ہریرہؓ -

[68] حدیث مشکوٰۃ - باب الایمان والقدر - روایت ابو ہریرہؓ -

[69] حدیث مشکوٰۃ - باب الوسوسہ - روایت ابو ہریرہؓ (ابو داؤد)

(۲۱) ایک ہدایت حضورؐ نے یہ دی ہے کہ علم کے ذریعے مغالطہ نہ دیا جائے اور[۴۰] یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے بیشتر اہلِ علم اور دانش ور اپنی ذہنی برتری کے ذریعے کم علم اور سادہ دل لوگوں کو مغالطے دیتے ہیں۔ آج بے شمار ایسے حکیمانہ اقوال اور دانشورانہ نکات کو علم و استدلال اور پروپیگنڈے کے زور سے ناقابلِ تردید کلّیات کا مقام دے دیا گیا ہے۔ جن کا تجزیہ کریں تو وہ ایک دلفریب مغالطہ ثابت ہوتے ہیں۔ پوری نوعِ انسانی کو آج کے علم نے چند بڑے بڑے مغالطوں کا شکار بنا دیا ہے۔

ایسے دائرہ ہائے امورِ غیب میں قدم رکھنے سے بھی روکا جن تک آدمی کے علم کی سرے سے دسترس ہی نہیں اور ایسے دوائر کے لیے اسے وسائلِ علم دیئے گئے ہیں[۴۱]۔

حضورؐ نے جحود بآیات اللہ یعنی خدا کی آیات کی مخالفت کرنے کو شدید قسم کے نقصانِ علم کا موجب بنایا[۴۲]۔ جس کے اثر سے سمع، بصر اور فواد کی قوتیں بھی صحیح طور پر کام نہیں کر سکتیں۔

(۲۲) بچوں کے متعلق حضورؐ کی حکمتِ تعلیم ہمیں ایک خاص نقطۂ نظر دیتی ہے جس کے چند نمایاں ارشادات یہ ہیں:

—— حضورؐ نے بچوں کی معصومیت کی تعبیر یہ کہہ کر فرمائی کہ یہ تو جنت کے باغوں کے پھول ہیں، یعنی ان سے محبت و ملاطفت کا برتاؤ کرنا چاہیے[۴۳]۔

—— پھر بچوں کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتے ہیں، بعد میں گھر اور معاشرے کا ماحول انہیں کسی دوسرے رنگ میں رنگ دیتا ہے[۴۴]۔

—— میرے نزدیک فطرۃ اسلام سے مراد وہی بات ہے جو قرآن میں تمام انسانوں کے لیے کہی گئی ہے[۴۵] اور اس کی تشریح ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ بتاتے ہیں کہ ہر فرزند آدم کے اندر ایک آواز فرشتے کی

---

[۴۰] حدیث مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایتِ معاویہ۔

[۴۱] ملاحظہ ہو آیت: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (۱۷-۳۶)

[۴۲] ملاحظہ ہوں آیات: وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ (۲۹-۴۹)، وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ (۳۱-۳۲)

[۴۳] حدیث: مشکوٰۃ۔ کتاب الوسوسہ۔ بحوالہ حضرت عائشہؓ۔ (مسلم)

[۴۴] حدیث مشکوٰۃ۔ باب الایمان بالقدر، روایت ابوہریرہ (مسلم)

[۴۵] ملاحظہ ہو آیت: فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰-۳۰)

ہوتی ہے اور ایک آواز شیطان کی، یعنی اس کے اندر خیر و شر کے دو گونہ رجحان پائے جاتے ہیں[۲۶] اور اسی کے ساتھ ساتھ اسے تمیز خیر و شر کا میلان بھی دیا گیا ہے۔ اس ارشاد کی رُو سے یہ گھر، مدرسے اور معاشرے کی تعلیمی سرگرمیوں پر منحصر ہے کہ وہ بچے کے اندر نیکی کی ملکوتی آواز کو زوردار بنا دیں، یا بدی کی شیطانی پکار کو غالب کر دیں۔

——— پھر بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضوؐر نے والدین کو یہ تاکید بھی کی کہ وہ اپنی ساری اولاد سے مساوات کا معاملہ کریں۔ بصورتِ دیگر بچوں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی اصول اجتماعی نظامِ تعلیم پر بھی لاگو ہوگا۔ درسگاہوں میں تمام طلباء کے ساتھ مساویانہ معاملہ ہونا چاہیے اور سب کے لیے حقوق و فرائض کی یکسانی کے ساتھ، اساتذہ کا رویہ ایک ہی جیسا ہونا چاہیے۔

——— حضوؐر کی حکمتِ تعلیم نے نظریۂ سزا بھی دیا جس کے دو نکات ہیں۔ ایک یہ کہ شدید ضرورت کے تحت سات سال کی عمر سے سزا دی جا سکتی ہے[۲۷] دوسرے یہ کہ ایسی جسمانی سزا نہیں دی جانی چاہیے جو نشان چھوڑنے والی ہو۔ سخت قسم کے تھپڑ یا گھونسے یا بید یا قمچیاں نہیں لگانی چاہئیں۔ لازم نہیں کہ سزا جسمانی ہی ہو، اس کی دوسری صورتیں بھی ہیں۔ جیسے کہ نُشُوز کی صورت[۲۸] میں عورتوں کو خواب گاہوں سے الگ کرنے کے قرآنی حکم کی مثال موجود ہے۔

نظریۂ سزا کے سلسلے میں چند وضاحتیں ضروری ہیں:

ا۔ تعلیم کا بنیادی تقاضا محبت و شفقت ہے، سزا کی گنجائش محض غیر معمولی مواقع کے لیے استثنائی درجے میں رکھی گئی ہے۔

ب۔ اس نظریۂ سزا کے سامنے یہ حکیمانہ شعور بھی ہونا چاہیے کہ بگڑے ہوئے ماحول کے مقابلے میں اُس دَورِ سعادت کا معاملہ الگ تھا جس کو پیشِ نظر رکھ کر حضوؐر نے نظریۂ سزا بیان فرمایا۔ سنوری ہوئی سوسائٹی میں ڈسپلن توڑنے اور سرکشی کرنے کی مثالیں شاذ ہوتی ہیں اور ان پر معمولی سی سزا دینی بھی اس لیے مؤثر ہوتی ہے کہ پورا ماحول سزا دینے والے ہاتھ کے پیچھے ہوتا ہے۔ بگڑی ہوئی سوسائٹی میں جہاں بُرائی کی قوتیں حسین و دلکش اسالیب سے غلط روش کو مزین بنا کر سامنے لاتی ہوں اور ان کی وجہ سے فکری و اخلاقی محاذ پر ایک

---

[۲۶] حدیث: انّ للشیطان لمّۃ بابن آدم وللملک لمّۃ ... الخ۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ روایت ابن مسعود

[۲۷] حدیث۔ مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ۔ روایت عمرو بن شعیب (ابوداؤد)۔ کتاب الایمان،

[۲۸] ملاحظہ ہو آیت: سُورۂ نساء۔ آیت ۳۴۔

مستقل جنگ برپا ہو، دو ہی طرزِ عمل ہو سکتے ہیں یا تو سزا اصولِ عام بن جاتے، مشفقانہ رویّہ صرف نادر صورتوں میں سامنے آتے۔ یا پھر نیکی اور سچائی کے معلّم اپنی شفقت کو اور زیادہ وسیع و عمیق بنا دیں۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت سزا کو غیر مؤثر بنا دے گی، لہٰذا دوسری صورت ہی مفید نتائج دے سکتی ہے۔

ج۔ سزا دہی کا معاملہ طبیب کی سی حکمتِ عملی کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر قسم کے حالات میں موقع اور محل کی مناسبت کا لحاظ ضروری ہے۔

د بعض اصحاب کو ایک حدیث سے غلط فہمی ہوتی ہے جس کی بنا پر حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اولاد کے سروں سے تادیب کے عصا کو ہٹایا نہ دیا جائے[۴۹]۔ یہاں تادیب کے عصا سے مراد سچ مچ کا عصا نہیں ہے بلکہ یہ ویسا ہی ہمارا استعاراتی اندازِ بیان ہے جیسے کہا جاتے کہ اپنے مخالفین کو بھی احسان کی زنجیروں میں باندھ کر رکھو یا دشمن کو مارو تو بھلائی کی تلوار سے مارو۔ اگر کوئی شخص ان مواقع پر زنجیروں اور تلوار کے لفظ کے لغوی معنی لے لے تو وہ صریحاً غلطی کرے گا۔ یہاں استعاراتی مفہوم لیا جاتا ہے یعنی احسان کی زنجیروں اور بھلائی کی تلوار سے مراد احسان اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔ ٹھیک اسی طرح تادیب کے عصا سے مراد محض تادیب ہی ہے۔ تادیب یا ادب سکھانا یا تربیت دینا ایک فنِ لطیف ہے۔

۲۳۔ حضورؐ کی تعلیم کا مرکزی نصاب قرآن تھا[۵۰]۔ جو پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع گائیڈ بک ہے۔ تعلیم کے بقیہ شعبے اسی مرکزی نصاب کے اردگرد مرتب ہوتے ہیں۔

۲۴۔ سرکارِ رسالت مآب کی حکمتِ تعلیم کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ جس طرح معلّم کو متعلّمین کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اس طرح متعلمین کے لیے لازم ہے کہ وہ معلّم کا ادب و احترام رکھیں[۵۱]۔ اس ہدایت میں یہ تقاضا از خود مضمر ہے کہ معلّم بلحاظِ قابلیت اور بلحاظ کردار اور بلحاظ معلمانہ روش کے ایسے اوصاف سے متصف ہو کہ طلبا میں اس کے لیے احترام نشو و نما پائے۔

## توسیعِ تعلیم کے لیے حضورؐ کی مساعی

اب اجمالاً ان مساعی پر نگاہ ڈالیے جو حضورؐ نے توسیعِ تعلیم کے لیے سرانجام دیں

[۴۹] حدیث: ولا ترفع عنهم عصاك ادباً۔ مشکوٰۃ۔ باب الکبائر و علامات النفاق۔ روایت حضرت معاذؓ۔

[۵۰] متعدد احادیث: مشکوٰۃ۔ کتاب فضائل القرآن

[۵۱] حدیث: تواضعوا لمن تتعلمون منه (الجامع الصغیر الکامل لابن عدی منهاج المتعلم)

ایک طرف تو نظامِ صلوٰۃ، اس میں تلاوتِ قرآن اور خطباتِ جمعہ کا نظام بجائے خود فروغِ تعلیم کا ذریعہ تھا، دوسری طرف حضورؐ خاص مواقع پر زائد خطبات بھی دیتے اور تعلیمی مجالس بھی منعقد فرماتے۔

توسیعِ تعلیم کے لیے آپ کا یہ ارشاد بڑا اہم ہے کہ اچھے لوگ وہ ہیں جو معلّم ہوں یا متعلّم۔[۵۲] پھر آپؐ نے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا کے قرآنی حکم کے تحت والدین پر ذمہ داری ڈالی کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم دیں[۵۳]۔ پڑوسیوں کو پڑوسیوں سے علم حاصل کرنے کی تلقین کی۔

لکھنے کا بہ عام کرنے کے لیے بدر کے قیدیوں کے لیے یہ فدیہ بھی مقرر کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں۔[۵۴]

حضورؐ نے دورِ مکہ میں دارِ ارقم کو جس طرح عبادات اور مشاورت کا مرکز بنایا، اسی طرح وہ تعلیم کا پہلا مرکز بھی تھا۔[۵۵]

مدنی دور میں دوسرا وسیع تر اور باقاعدہ قسم کا مدرسہ صُفّہ کے نام سے مسجدِ نبوی میں قائم ہوا جس میں زیادہ تر باہر سے آنے والے نومسلم اور کچھ مقامی لوگ مقیم رہ کر تعلیم حاصل کرتے۔ اسے ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر احمد شلبی نے اقامتی درسگاہ قرار دیا ہے۔[۵۶] اس درسگاہ میں نہ صرف قرآن کی سورتیں یاد کرائی جاتیں اور فنِ تجوید کی تعلیم دی جاتی تھی بلکہ لکھنے پڑھنے کا فن اور فقہ کا علم بھی سکھایا جاتا تھا۔[۵۷] مسندِ امام احمدؒ بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق درسگاہ صفہ کے طلبہ کی تعداد ایک موقع پر ستّر تک پہنچی۔[۵۸]

حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ خود انہوں نے چند اصحابِ صُفّہ کو قرآن اور کتابت کی تعلیم دی۔[۵۹]

---

[۵۲] حدیث: سُنن دارمی۔ المقدمہ۔ باب ۲۵-۳۱۔

[۵۳] ملاحظہ ہو سورۂ تحریم: آیت ۶۔

[۵۴] مُسند امام احمد بن حنبل۔ ج ۱، ص ۲۴۶۔ نیز الکامل للمبرد۔ ج ۱، ص ۱۷۱۔

[۵۵] تاریخ الامم والملوک (طبری) بحوالہ ڈاکٹر احمد شلبی۔

[۵۶] حدیث: سُنن ابن ماجہ۔ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔

[۵۷] مُسند امام احمد بن حنبل۔ ج ۳، ص ۳۷۱۔

[۵۸] ایضاً

[۵۹] حدیث: ابوداؤد۔ کتاب البیوع فی کسب المعلم۔

اس درسگاہ کے ایک درخشندہ طالب علم حضرت ابوہریرہؓ تھے۔[۹۰]

حضورؐ کے توسیعِ تعلیم کے منصوبے کا ایک اہم جزو یہ تھا کہ ہر مسجد مرکزِ تعلیم بھی تھی۔ خود آنحضورؐ کے دور میں مدینہ میں نو مسجدیں[۹۱] ایسی تھیں جہاں بڑوں اور بچوں کو دین اور قرآن اور معاملاتِ زندگی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

توسیعِ تعلیم کے لیے حضورؐ مختلف قبائل کی طرف قُرّاء کو بھجواتے۔ واضح رہے کہ درسگاہِ صُفّہ کے فارغ التحصیل قرّاء کہلاتے تھے۔[۹۲] قرّاء قاری کی جمع ہے، مگر یہ لوگ آج کل کے معنوں میں قاری نہ ہوتے تھے بلکہ تلاوتِ قرآن کے ساتھ ساتھ فہمِ قرآن اور تفقہ فی الدین میں مہارت حاصل کرتے تھے۔ یہ قرّاء فوجی دستوں کے ساتھ بھی علاقوں میں بھجوائے جاتے تاکہ وہ خود مجاہدین کی تعلیم بسلسلہ سفر میں بھی جاری رکھیں اور اگر کوئی قبیلہ اطاعت قبول کرے تو اس کے لوگوں کو تعلیم دیں۔[۹۳]

درسگاہِ صفہ کے ذریعے ان قرّاء کی تعداد اس تیزی سے بڑھی کہ ایک مرتبہ ستر قاریوں کا قافلہ علاقہ نجد کے قبائل کی تعلیم کے لیے روانہ کیا گیا۔ ان قیمتی ہستیوں کو بئر معونہ کے مقام پر ان فریب کار بدویوں نے شہید کر دیا جنہوں نے خود ہی درخواست کر کے ان کو بلوایا تھا۔[۹۴]

جن ممتاز صاحبِ علم شخصیتوں کو حضورؐ کسی مقام پر اپنا عامل یا نمائندہ بنا کر بھیجتے ان کے ذمے وہاں کے لوگوں کو تعلیم دینے کا کام بھی کرتے۔ چنانچہ بنی حارث کی طرف خالد بن ولید کو بھیجا گیا تو ان کو تعلیم کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔[۹۵] اسی طرح عمرو بن حزم عاملِ یمن کو حضورؐ نے تحریری ہدایات دیں کہ وہ لوگوں کو قرآن سکھائیں، اس میں تدبر و تفکر کی تربیت دیں اور انہیں آگاہ کریں کہ ان کے حقوق کیا ہیں اور ان پر فرض کیا عائد ہوتے ہیں۔[۹۶]

---

[۹۰] مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب فضائل ابی ہریرہؓ۔ (بحوالہ تاریخ اسلام، معین الدین ندوی)

[۹۱] عینی شرح بخاری، ج ۲۔ ص ۴۶۸ (بحوالہ تاریخ اسلام، معین الدین ندوی)۔

[۹۲] حدیث: مسلم۔ کتاب الامارہ۔ ثبوت الجنۃ للشہید۔

[۹۳] حدیث: بخاری، ج ۲۔ ص ۴۵۔

[۹۴] حدیث: مسلم۔ کتاب الامارہ۔ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔

[۹۵] الوثائق السیاسیہ۔ مکتوب ۷۹۔ [۹۶] ایضاً

سورۂ توبہ کی آیت ۱۲۲ کے مطابق مختلف نو مسلم قبائل کے وفود مدینہ میں آکر قیام کرتے اور حضورؐ اور صحابہ سے علم حاصل کرکے واپس جاتے اور اپنے لوگوں کو تعلیم دیتے۔[97] اس قسم کا ایک وفد مالک بن الحویرث کی سرکردگی میں مدینے آکر ۲۰ روز تک مقیم رہا۔[98]

بعض خاص مواقع پر حضورؐ نے خصوصی معلّمین کا تقرر فرمایا۔

مثلاً سب سے پہلی مثال ہجرت سے قبل کی ہے جبکہ آپؐ نے اہلِ مدینہ کے لیے سعد بن العاص کا تقرر بطور معلّم فرمایا اور انہیں مامور کیا کہ وہ دین سکھانے کے علاوہ لوگوں کو لکھنے کی تعلیم دیں۔ واضح رہے کہ حضرت سعد خوش نویس تھے۔[99] ان کے متعلق المحبّر کی روایت یہ ہے کہ انہیں معلّمِ حکمت کا لقب دیا گیا۔[100]

اسی طرح فتح مکہ کے بعد[101] حضرت معاذ کو مکّہ کے نو مسلموں کی تعلیم کے لیے مامور کیا گیا۔

ان مساعی کے واضح نتائج تاریخ ہمارے سامنے رکھتی ہے۔

وہ قومِ قریش جس کے ہاں اسلام سے پہلے جملہ ۱۷ آدمی نوشت و خواند جانتے تھے ان کے نبی کے گرد مدینہ میں کاتبانِ وحی اور محرّرانِ مکاتیب کا ایک وسیع سیکرٹری ایٹ موجود تھا۔

مردوں کا معاملہ الگ رہا، ۵ خواتین بھی لکھنا پڑھنا سیکھ گئی تھیں اور وہ یہ تھیں (۱) حضرت حفصہ بنت عمرؓ (۲) حضرت امّ کلثوم بنت عقبہ (۳) حضرت عائشہ بنت سعد (۴) حضرت کریمہ بنت مقداد۔ اور (۵) حضرت الشفا بنت عبداللہ عدویہ جو حضرت حفصہ کی اُستاد تھیں۔ قرونِ اُولیٰ میں ۳۴۵ خواتین محدث تھیں۔[102]

آہستہ آہستہ اہلِ تخصص (SPECIALISTS) پیدا ہوئے۔ جیسے کہ حضورؐ نے علم فرائض میں زید بن ثابت کو، قرآن خوانی اور تجوید میں ابی بن کعب کو، حرام و حلال کے احکام کا علم رکھنے میں حضرت معاذ بن جبل کو

---

[97] تفسیر خازن۔ تفسیر ماکان للمؤمنین لینفروا کافۃ (بحوالہ تاریخ اسلام، مولانا معین الدین ندوی)

[98] حدیث بخاری۔ باب رحمۃ البہائم (بحوالہ تاریخ اسلام، معین الدین ندوی)

[99] المحبّر ورق ۱۵۹ (ابوداؤد)

[100] ایضاً

[101] حدیث: بخاری۔ ج ۱۔ ص ۷۴

[102] فتوح البلدان، بلاذری ص ۴۵۸۔

[103] ابن حجر۔ الاصابہ۔ فی تمییز الصحابہ

مرتبۂ اوّل پر شمار کیا[۱۲] ۔ اسی طرح ایک موقع پر فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو: عبداللہ بن مسعود سے سالم مولیٰ ابو حذیفہ سے، ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے[۱۳]۔

کتنا حیرت ناک واقعہ ہے کہ یہ تیز رفتار تعلیمی سرگرمی ایسے حالات میں رُو بعمل آئی جبکہ مسلسل ایمرجنسی کا دور تھا اور مدینہ کی چھوٹی سی اسلامی ریاست کثیر التعداد دشمنوں کے حملہ ہائے مسلسل کی زد میں تھی۔ بات یہ ہے اصل چیز تو یہ تعلیم دین ہی تھی جس کے بل پر ریاست کھڑی تھی اور جس کی دی ہوئی سپرٹ مسلمانوں کو معرکہ ہائے کارزار میں اپنے سے بڑی طاقتوں پر فتح دلا رہی تھی۔ اس تعلیم کے کام میں اگر کوتاہی رہ جاتی تو پھر اور کچھ بھی نہ ہوتا۔

دوسرا اثر/نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ العلم کے ساتھ ساتھ مختلف دنیوی علوم و فنون میں بھی مسلمانوں میں نہایت تیزی سے ترقی ہوئی اور ہیئت، نجوم، جغرافیہ، طب، جراحت، فلسفہ، سائنس، ریاضی، الجبرا، کتابت، نقاشی، تزئین، تعمیر، جنگی فنون، جہاز رانی، آہن گری، صیقل گری وغیرہ میں صدی دو صدی کے اندر مسلمانوں نے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ ان کی علمی قوت نے یورپ کو مرعوب کر کے اپنے دائرۂ اثر میں لے لیا۔

تیسرا سبق آموز نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ حضورؐ کی شروع کی تعلیمی مہم نے مسلمانوں میں ایسا فکری، تہذیبی استحکام پیدا کر دیا کہ انہوں نے یونان، ایران اور ہندوستان کے باطل اور فاسد علوم سیکھے مگر وہ ان سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے تنقیدی صلاحیتوں سے کام لے کر ہر چیز کو اپنے العلم کی کسوٹی پر پرکھا، پھر جو کچھ اس کے مطابق پایا اُسے قبول کیا اور جو کچھ اس کے خلاف پایا اسے یا تو تشکیلِ نو کے عمل سے گزارا یا مسترد کر دیا۔ آج جبکہ علمی پسماندگی کے ساتھ ساتھ داخلی طور پر فکری و تہذیبی استحکام موجود نہیں ہے اور بحیثیت ملتِ اسلامیہ کے ہماری اجتماعی خودی کمزور ہو گئی ہے۔ ہم غالب اقوام کے نظریات اور علوم کے سامنے نہایت اطمینان سے شکست کھا کر فخر محسوس کرتے ہیں۔

## کلمۂ آخر

آیئے، اس گفتگو کو ختم ہوتے ہم اپنے مقام کو دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ایک غیر قوم نے باہر

---

[۱۲] ترمذی۔ مناقب عشرہ مبشرہ۔ روایت انس۔

[۱۳] بخاری و مسلم۔ باب جامع المناقب۔ و علم التواریخ۔ فن روایت و درایت۔

سے آکر ہمیں اپنی ضرورتوں کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ایک نظامِ تعلیم ہم پر مسلط کیا جو ملّتِ اسلامیہ کے مزاج کے خلاف تھا۔ نبی اکرمؐ کی حکمتِ علم اور حکمتِ تعلیم کے خلاف تھا اور جس نے آہستہ آہستہ اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا۔ اس نظامِ تعلیم کے تیزاب میں ہماری خودی اس طرح تحلیل ہو گئی کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد سالہا سال گزر جانے کے باوجود ہم اس تعلیمی قفس سے نجات نہیں پا سکتے۔

بدقسمتی سے نظریۂ پاکستان اور اسلام کے دلکش الفاظ کو سیاسی کھلونوں کی طرح استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ جب کبھی ایسا ہوا کہ قمار خانۂ مفاد میں ہر دوسری نرد پٹ گئی تو مقامردوں نے فوراً نعرۂ اسلام کو اٹھا کر بساط پر رکھ لیا۔ پھر جب وقتی بازی مکمل ہو گئی تو اس نعرہ کو کسی آئندہ ایمرجنسی کے لیے محفوظ رکھ دیا گیا۔

کارپردازانِ تعلیم کے حلقوں میں زیادہ سے زیادہ اب تک جو کچھ سوچا گیا ہے وہ بس اتنا ہے کہ اس مسلط شدہ نظامِ تعلیم کے نصابیات میں چند اچھی باتیں اسلام کی بھی داخل کر دی جائیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی ٹمٹنک میں چند پرزے شکر سازی کی مشین کے فٹ کر کے یہ سمجھیں کہ اب یہ ٹینک شکر بنانے لگے گا۔

ایک خاص تہذیبی نظام کی علمبردار ملّت اور تحریکِ فلاحِ انسانیت کی مشعل بردار قوم اپنی ضرورت کا پورا نظامِ تعلیم خود بناتی ہے۔ وہ اپنے تعلیمی نظریات کی بنیاد اپنے ایمان و معتقدات پر رکھتی ہے وہ نصابیات کے ہر جزو میں اپنے اجتماعی نصب العین کی روح داخل کرتی ہے وہ اپنی حکمتِ تعلیم پر علوم کی بنیادیں رکھتی ہے۔ اور اس کی تعلیم کا مقصد ایسے انسان تیار کرنا ہوتا ہے جیسے انسان مخصوص نظامِ حیات کو چلانے اور اس کی بین الانسانی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مطلوب ہوتے ہیں۔

مَیں ملک کے ذی شعور معلّمین اور ماہرینِ تعلیم کو توجہ دلاؤں گا کہ وہ نبی اکرمؐ کے تعلیمی کارنامے کی روشنی میں ملّتِ پاکستان کے لیے ایک صحت مند نظامِ تعلیم کا نقشہ مرتب کریں اور اسے موجودہ خلافِ ایمان اور خلافِ مزاج نظامِ تعلیم سے نجات دلائیں جس نے ہماری نسلوں کو فکری اور اخلاقی لحاظ سے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔